بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

قرآن کا پیغام بارہ اسباق میں

قرآن ناآشنا آدمی کا رویہ زندگی کے شہر میں کچھ اسی طرح کا ہوتا ہے جیسے کوئی نادان دیہاتی کسی بڑے شہر میں جا پہنچے۔ وہ حیرت زدہ اور مبہوت بھی ہو، سر پھرا اور غلط عبارتوں کا مرتکب بھی۔ کبھی وہ آوارگی کرتا پھرتا ہے، کبھی مانے طریقے سے تفریح کرتا ہے یا لاابالی پن سے انسانوں اور عمارتوں پر نظر ڈالتا ہے، کبھی دنگے فساد پر اتر آتا ہے تو کبھی خواتین سے بدتمیزی کر گزرتا ہے، کبھی اداروں، دفتروں اور عمارتوں میں غلط طور پر جا گھستا ہے، کبھی ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی کرتا ہے، کبھی آنکھیں بند کر کے بھاگتا ہوا سڑک پار کرتا ہے۔ غرض قدم قدم پر اپنے اور دوسروں کے لیے مشکلات پیدا کرتا ہے۔ بسا اوقات پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے، کبھی عدالت میں لے جایا جاتا ہے، کبھی جیل کی ہوا بھی کھاتا ہے اور پھر کسی ناخوشگوار تجربے کے بعد بے بسی کے عالم میں بیٹھ کر زار زار رونے لگتا ہے مگر وہ سمجھ نہیں پاتا یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟

فرض کیجیے اسی طرح کے کسی نادان نووارد کو آپ کسی جگہ پریشان و خستہ حال دیکھتے ہیں یا کسی سڑک پہ کسی پارک میں بے بسی سے روتا پاتے ہیں۔ آپ اس کے قریب چلے جاتے ہیں ہمدردی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اس کی دردبھری کتھا سنتے ہیں۔ پھر اسے پیار سے سمجھاتے ہیں — عزیز من! اس شہر کی ایک حکومت ہے، اس کا ایک انتظام ہے اس شہر میں رہنے اور اس کی چیزوں سے فائدہ اٹھانے اور اس کی پارکوں، عمارتوں اور گاڑیوں کو استعمال کرنے کے کچھ ضابطے

ہیں۔ یہاں کے انسانوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور تعلق رکھنے کے کچھ آداب مقرر ہیں، اُن کو اگر نہیں جانو گے اور ان کا اگر لحاظ نہیں رکھو گے تو بار بار اذیت اور نقصان اُٹھاؤ گے۔ اُن کو سمجھ لو اور قبول کر لو تو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ لو مَیں تمھیں بتاؤں کہ یہاں حکومت کس کی ہے۔ یہاں کے قوانین اور آداب کیا ہیں اور یہاں کا اخلاقی آئین کیا ہے۔

کچھ ایسا ہی ہمدردانہ اور خیرخواہانہ معاملہ ہے جو قرآن غم زدہ پریشان حال اور آوارہ خیال انسان سے کرتا ہے۔

(۱)

قرآن کا بنیادی اور ابتدائی پیغام۔ یا سبقِ اوّل انسان کے لیے یہ ہے کہ یہ دُنیا جس میں تم اُتارے گئے ہو یہ اندھی نگری نہیں ہے جس کا نہ کوئی راجہ ہو، نہ جس میں کوئی قانون و ضابطہ رائج ہو۔ یہاں تم شترِ بے مہار بن کر کبھی امن و سکون نہیں پا سکتے۔ یہاں مادر پدر آزادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کائنات کسی کھلنڈرے بچے کا بنایا ہوا گھروندا نہیں ہے۔ زندگی رام لیلا کی طرز کا کوئی ناٹک نہیں ہے۔ بے مقصد بھول بھلیاں بھی نہیں۔ یہ سلسلہ حوادث ایک عبرت خانۂ امروز و فردا نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ کا نتیجہ نہیں ہے۔ غرض تمھیں یونہی دل لگی کے لیے نیست سے ہست نہیں کر دیا گیا۔ تمھارے وجود اور زندگی دونوں کے لیے بڑی بھاری ذمہ داریاں ہیں۔

وہ لوگ زمین و آسمان (کے نظام) کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (اور پھر پکار اُٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے ربّ تو نے یہ سب فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔

(آل عمران ـــ ۱۹۱)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمھیں یونہی فضول پیدا کر دیا ہے۔

(المومنون - ۱۱۵)

(۲)

قرآن سلطنتِ الٰہی کے انجان شہری کو کچھ اور باتیں بتاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس چمن میں پھول ہی پھول نہیں ہیں، کانٹے بھی ہیں۔ یہاں نسیم سحری ہی نہیں چلتی، صرصر و سموم بھی چلتی ہے۔

یہاں نشیمن ہی نہیں، دام اور قفس بھی ہیں۔ یہاں خرمن ہی نہیں ہوتے بجلیاں بھی گرتی ہیں، یہاں خیر کے ساتھ ساتھ شر بھی پایا جاتا ہے اور راحتوں کے ساتھ ساتھ دکھ بھی۔ یہاں زندگی اپنے کرشمے دکھاتی ہے اور موت اپنا اپنا پارٹ ادا کرتی ہے۔ یہاں انسان اضداد کے درمیان گھرا ہوا ہے۔

یہاں ہر اقدام لازماً اچھی ہی سمت میں نہیں ہوتا بلکہ بہت سی جادہ پیمائیاں منزلِ مقصود سے دُور تر بھی لے جاتی ہیں۔ یہاں رہنما اور رہزن ایسے گھلے ملے ہیں کہ آدمی کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ کس کا ساتھ دے۔ یہاں ہر قدم پر ایک دوراہا سامنے آتا ہے اور آدمی کو فوری فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کدھر جائے۔

حق و راستی کی طرف لے جانے والے محرکاتِ خیر بھی ہیں اور محرکاتِ شر بھی، جن کے اثر سے بے شمار افراد بلندی کی طرف بھی جاتے ہیں اور بے شمار لوگ پستی کی طرف بھی لڑھکتے ہیں۔ اسی طرح اقوام ترقی بھی کرتی ہیں اور تباہ بھی ہوتی ہیں۔ دیکھو کتنے عالیشان تمدنوں کے مزارجا رُوں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

اور تم سے پہلے کی قوموں کو (جو اپنے زمانے میں برسرِ عروج تھیں) ہم نے ہلاک کر دیا جب انھوں نے ظلم کی روش اختیار کی۔ (یونس — ۱۳)

وہ بتاتا ہے کہ یہ دُنیا کوئی چھوٹ کی دُنیا نہیں۔ یہ لا وارث گھر نہیں ہے۔ یہاں کوئی خوانِ یغما بچھا ہوا نہیں ہے، بلکہ یہ کسی کی ملکیت ہے جس کے قوانین گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ جہاں تم نے غلط قدم اُٹھایا کوئی نہ کوئی قانون تمہیں گھیر لے گا۔ ایک نادیدہ قانونی قوت تمہارا احاطہ کرلے گی، اور تم اس کی پکڑ سے باہر نہ جا سکو گے۔

پھر جیسے، آپ اپنے شہر کے نووارد کو بتاتے ہیں کہ میاں یہاں ذرا چوکنا رہ کے چلو پھرو، یہاں جیب کترے اور ٹھگ، اُٹھائی گیر بھی ہیں جو بھنگ یا نشہ آور مٹھائی کھلا کر نوواردوں پر ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن انسان کو آگاہ کرتا ہے کہ یہاں ابلیس اور اس کا لشکر جن میں شیاطینِ انس بھی شامل ہیں، پھیلا ہوا ہے جو ہر بدی کو خوشنما اور رنگین و دلفریب بنا کر پیش کرتا ہے اور پھر چمکار کر: بہلا پھسلا کر تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ قرآن انتباہ کرتا ہے کہ:-

شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرہ - ۲۰۸)

یہ شیاطین بسا اوقات دوست اور ناصح بن کر آتے ہیں۔ بڑے خیر خواہانہ مشورے دیتے ہیں، اُمیدیں دلاتے ہیں، پُراسرار طریق سے اپنی بات القا کرتے ہیں، بدترین معصیت کو رومان اور لذّت اور تفریح اور رنگینی سے آراستہ کر کے لاتے ہیں، بدترین مفاسد کو حکمت و فلسفہ کے مرعوب کُن پیرانہ میں لپیٹ کر پیش کرتے ہیں اور پھر جب اُن کا شکار تباہی سے دوچار ہو جاتا ہے تو اُسے دھتکار کر کہتے ہیں کہ اب اپنی حماقت کا نتیجہ مزے سے بھگتو۔ شیاطین کے سربراہ کا یہ چیلنج بھی ملاحظہ ہو کہ :-

پھر میں ان ابنائے آدم کو آگے سے پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے گھیروں گا"
(الاعراف - ۱۷)

قرآن کے خیرخواہانہ انتباہات سے ایک سلیم الفطرت آدمی یہ حقیقت پا لیتا ہے کہ زندگی گزارنا کوئی کھیل نہیں ہے، یہاں تو ایک پُرخطر جنگل میں سے راستہ نکالنا ہے اور جو مختلف راستے نکلتے ہیں اور اُن کی طرف مختلف بلانے والے بُلاتے ہیں، ان میں سے صحیح راستے کی شناخت کرنی ہے جو انسانی ارتقا کی آخری منازل تک لے جا سکے۔

(۳)

قرآن کے اس دوسرے سبق کے تقاضے سے تیسرا سبق اُبھرتا ہے اور ایک بیدار دل آدمی کا ذہن خود بخود ادھر منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ دُنیا بچ بچا کے چلنے کی جگہ ہے، یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے۔ یہاں ہر مقام پر یہ طے کرنا ضروری ہے کہ صحیح کیا ہے؟ اور غلط کیا ہے؟ مدّعا یہ کہ صحیح زندگی جبھی مل سکتی ہے جب کہ اس کے ساتھ تمیزِ خیر و شر کی کم از کم سنجیدہ کوشش پائی جائے، جو زندگی تمیزِ خیر و شر کی کوشش سے خالی ہو، وہ فلاح سے خالی رہے گی اور کبھی اچھے نتائج تک نہیں پہنچے گی۔

(۴)

قرآن شہرِ زندگی کے پریشان خیال نو وارد کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دُنیا کی گذرگاہ سے گذرنے والے مسافر کے لیے غفلت کے ساتھ اور عبرتوں سے بے نیاز ہو کر چلنا درست نہیں ہے بلکہ بیدار عقل، متحرک ذہن

کھلے کانوں اور دیکھتی آنکھوں کے ساتھ ہی یہ وادی بخیر و خوبی پار کی جا سکتی ہے۔ اس کی نگاہ میں وہ لوگ فریضۂ زندگی کو ادا کرنے میں بالکل ناکارہ ہیں۔ جو صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ (بہرے گونگے اور اندھے) کی تعریف میں داخل ہیں۔ اور سنیے۔

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ (الانفال۔ ۲۲)

دوسری جگہ وہ اس ناکارہ عنصر کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

ان لوگوں کے دل (دماغ) ہیں مگر یہ اُن سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر یہ اُن سے دیکھتے نہیں۔ اُن کے کان ہیں، مگر اُن سے سُنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں۔ (الاعراف۔ ۱۷۹)

وہ انسانوں کو تفکر اور تدبر کا درس دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کائنات اور زندگی کی حقیقتوں کے متعلق آدمی کے دل میں سوالات پیدا ہوں۔ وہ اپنی حقیقت جاننے کے درپے ہو۔ وہ اپنا صحیح مقام دُنیا میں متعین کرے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ اس کا مرتبہ کیا ہے، اُس کا کس سے کیا تعلق ہے اور اُسے یہاں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

لیکن جو لوگ ان بنیادی مسائل کے بارے میں کبھی کاوش ہی میں نہ پڑیں کبھی ان کے دلوں میں کوئی سوال ہی زندگی کی حقیقت کے بارے میں پیدا نہ ہو بلکہ کھانے کمانے، گھر بسانے، جنسی تسکین کے درپے ہیں۔

(۵)

عقل سے کام لے کر مطالعہ کائنات و حیات کا مشورہ دے کر قرآن پیچھے نہیں ہٹ جاتا بلکہ شہرِ زندگی کے مسافر کو ایک گائیڈ کی طرح اپنے ساتھ گھماتا ہے اور ایک ایک کر کے آیاتِ حقیقت کو اس کے سامنے کھولتا ہے۔

وہ مونس و ہمدم بن کر اس سے کہتا ہے کہ آؤ تمہارے ساتھ ہو کر تمہیں کچھ دکھاؤں۔ پیارے انسان یہ دیکھتے ہو کہ سورج کس باقاعدگی سے مشرق سے نکل کر مغرب میں ہر روز ڈوبتا ہے اور چاند تاروں کی گردش دیکھو، دن اور رات کا ادل بدل دیکھو، موسموں کے چرخے کا گھماؤ دیکھو، یہ مفرح

ڈھنگ سے چلنے والی ہوائیں، یہ ہواؤں کے دوش پہ لد کر آنے والے بادل اور پھر بادلوں کا کثیف بن جانا، یہ مُردہ زمینوں کا زندہ ہونا، یہ ننھے ننھے بیجوں کا پھوٹنا - یہ نشوونما پاتی فصلیں، یہ ہرے بھرے کھیت، یہ طرح طرح کے درخت، ان پر لگنے والے مختلف رنگوں اور ذائقوں کے پھل، یہ زمین پر بنتے ہوئے راستے اور ان کو نمایاں کرنے والے نشانات، یہ سمندروں پر تیرتی کشتیاں، یہ پہاڑ جیسی اُٹھتی موجیں، یہ کشتیوں اور طوفانوں کی کشاکش میں انسانی زندگی کا ڈانواں ڈول ہونا، خود انسان کا اپنا نظامِ ولادت و پرورش، انسانوں کی شکلوں اور رنگوں اور بولیوں کا تفاوت، یہ تمہارے سامنے پھیلی ہوئی کتابِ حقیقت کی روشن آیات ہیں - ان میں تم تین باتیں نمایاں دیکھتے ہو - ایک نظم و ترتیب دوسرے توافق اور تیسرے حسن و جمال اور وہ دریافت کرتا ہے:-

> تو خدا کی پیدائش و صفتِ خلق میں کوئی نقص و کوتاہی نہ پائے گا - ایک بار ذرا نگاہ ڈال، کیا اس نظام میں کوئی رخنہ نظر آتا ہے (الملک - ۳)

قرآن اپنے شاگرد کو پھر توجہ دلاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں قانون کی پابند ہیں اور ایک اقتدار میں جکڑی ہوئی ہیں - اتنے بھاری بھاری اجرام اور عالم طبعی کی طوفانی طاقتوں کو ضوابط کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے - اور وہ قوتِ برتر کے سامنے مطیع و منقاد اور مسلم عاجز بنی ہوئی ہیں -

> اور آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابعِ فرمان (مسلم) ہیں (آل عمران - ۸۳)

اس استدلال کے راستے قرآن آدمی کے ساتھ لیے اس شعور تک پہنچتا ہے کہ نظم و ترتیب اور توازن و توافق اور قانون و ضابطہ اور حسن و جمال کے ساتھ چلنے والی اس دنیا میں جہاں پتہ پتہ، قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ (اور آج کی معلومات کے مطابق ایٹم کا ایک ایک برقیہ) ایک بندش میں جکڑا ہوا ہے - خود تم بھی نہ تو عملاً آزاد ہو اور نہ آزادی کا استحقاق رکھتے ہو اور نہ آزادی میں تمہارا بھلا ہے -

یوں قرآن، شہرِ زندگی کے انجان نووارد کو گھماتے پھراتے اور یہاں کے احوال کا مشاہدہ کراتے کراتے اُس کے اندر غیر محسوس طور سے یہ احساس پیدا کر دیتا ہے کہ یہاں تمہارا مقام مالک اور حاکم و مقتدر کا نہیں ہے، بلکہ محکومی اور عبودیت کا ہے اور تمہاری خیر اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو

"ملیکِ مقتدر" کی رضا کے حوالے کر دو۔

(۶)

قرآن متذکرہ بالا سارے ابتدائی اسباق بن جن کا مقصد اصل سبق کے لیے مخاطب اور قاری کو تیار کرنا ہے۔ وہ درحقیقت ہدایت کی پیاس پیدا کرنا چاہتا ہے۔ بعد میں ہدایت کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ وہ پہلے طلب پیدا کرتا ہے پھر مطلوب کو سامنے لے آتا ہے۔ پہلے سوال اُبھارتا ہے پھر جواب فراہم کرتا ہے۔

قرآن اہلِ تدبّر اور تفکّر اور اصحابِ احتیاط و تقویٰ کو وہ اصل سبق دیتا ہے جس کے لیے بڑی تیاریاں ہیں اور بڑا اہتمام ہے۔

آیئے اس مرکزی سبق کو قرآن سے اخذ کریں۔ وہ مختصر سا سبق یہ ہے:

اے انسانو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ شاید کہ تم (پوری طرح) تقویٰ کیش بن سکو۔ (البقرہ — ۲۱)

یعنی غور و فکر کرنے والے (اولوالالباب) جب یہ حقیقت پالیں کہ یہاں نظم و توافق ہے، مقصد و غایت ہے، حُسن و جمال ہے تو انہیں اس صداقت تک ازخود پہنچنا چاہیے کہ یہ سارا سلسلۂ وجود حکیمانہ قوانین پر مبنی ہے اور قانون کا وجود یہ پتہ دیتا ہے کہ کوئی قانون ساز اور کارپرداز ہے۔ قرآن بتاتا ہے کہ وہ اللہ ہے۔ وہی تمہارا رب ہے اور اُس رب کے ساتھ تمہارے تعلق کی ایک ہی صورت عقلاً بھی درست ہے اور عملاً بھی صحیح ہے کہ تم اُس کے عبد بن کے رہو، مگر عبادت کسی جزوی صورت میں مراد نہیں، یہاں پوری زندگی کا مصرف بیان ہوا ہے۔ اس کائنات میں دو ہی بڑے مناصب ہیں۔ ایک رب اور معبود ہونے کا، دوسرا بندۂ رب عبادت گزار ہونے کا۔ انسان بہرحال رب اور معبود نہیں ہے۔ اس کا منصب صرف دوسرا ہی منصب ہو سکتا ہے اور وہی ساری مخلوق کا مقام بھی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے کسی بھی گوشے میں اور زمانے کے کسی بھی حصے میں عبدیت کے مقام سے الگ نہیں ہو سکتا اور اس کے لیے کوئی امکان نہیں ہے کہ رب یا معبود کے مرتبے پر فائز ہو یا اس مرتبے میں رب کائنات کا حصہ دار ہو سکے۔

پوری زندگی کو خدا کی عبادت میں لگا دینا صرف اس صورت میں ممکن ہے (باقی بر صفحہ ۵۲)

(بقیہ اشارات) کہ قرآن کا دانشور شاگرد اپنے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے، پوری طرح جھک جائے اور اس کے بالمقابل اپنی آزادی سے دست بردار ہو جائے۔ اس بارے میں قرآن کا سبق یہ ہے کہ:

پس تمہارا اللہ (معبود) ایک ہی اللہ ہے، سو اسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرو۔
(الحج - ۳۴)

اس مطلوب رویّہ کی بہترین مثال حضرت ابراہیمؑ کے طرزِ عمل سے لی گئی ہے کہ:

اور جب اس کے رب نے کہا کہ (میرے سامنے) جھک جا تو اس نے کہا میں رب العالمین کے سامنے جھکتا ہوں۔ (البقرۃ - ۱۳۱)

اس رویّہ پر جو دینِ حق پر مبنی ہے جو مسلکِ زندگی اس سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس کا نام ہی "اسلام" (مسلکِ تسلیم) طے پایا۔ فرمایا کہ:

یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ (آل عمران - ۱۹)

(۷)

لیکن یہ مسلکِ اسلام، یہ دینِ حق، یہ عبادتِ رب، کوئی ایسی چیز نہیں کہ افراد اپنی حد تک اس کے کچھ تقاضے پورے کر کے فارغ ہو جائیں۔

اس کے سامنے ایک بڑا عظیم الشان فریضہ اور مشن ہے جو اس کے ماننے والوں کو تفویض کیا گیا ہے۔

اور چاہیے کہ تم میں سے کچھ لوگوں پر مشتمل ایسا گروہ اٹھے جو (لوگوں کو) بھلائی کی طرف پکارے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ (آل عمران - ۱۰۴)

قرآن فی الحقیقت ایک ایسی تحریک برپا کرنا چاہتا ہے جس کے تحت ہر خدا پرست نیکی کا علمبردار بن کے بدی کے خلاف میدان میں اترے، بدی کی قوت کے بالمقابل نیکی کی قوت باقاعدہ محاذ آرا ہو۔ یہی وہ بنیادی مشن ہے جس کے لیے قرآن ایسے لوگوں کی تلاش میں ہے جنہیں وہ اس مشن کے شہید اور علمبردار بنانا چاہتا ہے۔

(۸)

نیکی کی تلقین کرنے اور بدی کا انسداد کرنے کا درس دینے کے ساتھ ساتھ قرآن یہ تصور بھی دلاتا ہے کہ نیکی کسی جزوی عمل کا، یا چند جزوی وظائف کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ نیکی ساری زندگی پر پھیلا ہوا ایک نظام ہوتی ہے:

نیکی اس کا نام نہیں کہ تم بس (نماز میں) اپنے منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ بخلاف اس کے نیکی تو اس شخص کی ہے جو ایمان لائے اللہ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور انبیاء پر۔ وہ جو اپنا مال اسے عزیز رکھنے کے باوجود قرابت داروں یتیموں، مساکین، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے اور لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں خرچ کرے اور وہ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے اور وہ لوگ جو وعدہ کریں تو ایفا کرنے والے ہوں، اور وہ لوگ جو سخت حالات میں اور مصیبت کے مواقع پر اور (جنگ کے) مصائب میں صبر سے کام لینے والے ہوں، یہ ہیں وہ لوگ جو سچے نکلے اور یہی لوگ ہیں جو اہلِ تقویٰ ہیں۔　(البقرہ — ۱۷۷)

دیکھیے یہاں افکار و اعمال اور اعتقادات و اخلاق سبھی کچھ مذکور ہے۔ مصلیٰ سے لے کر میدانِ جنگ تک سارے مراحل سامنے آگئے، مالی اور اقتصادی امور بھی شامل کرا دیے گئے۔ ان ساری چیزوں کو اختیار کرکے پوری زندگی کو ایک خاص نقشے پر ڈھالنا ہے، ظاہر ہے کہ اس وسیع تصورِ نیکی کے ساتھ فرد کسی بگڑے ہوئے معاشرے کے درمیان اپنے آپ کو پوری طرح سنوار نہیں سکتا۔ اسے پورے معاشرے کو سنوارنا ہوگا۔ اور اس کے لیے "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا فریضہ انجام دینا ہوگا۔

(۹)

پیچھے سے جو کڑیاں ملتی چلی آ رہی ہیں وہ ایک سلیم الطبع شخص کو از خود اس نتیجہ پر پہنچاتی ہیں کہ مسلکِ عبادتِ رب یا دینِ اسلام پر چلنے والا تقویٰ کیش آدمی بدی کی طاقتوں کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کرسکتا۔ اس کا اعتقاد اور اس کی دعوت اور اس کا مشن فطری طور پر مخالف چیزوں سے تصادم کا باعث بنتا ہے۔ جو شخص حق کو لے کے چلے اُسے باطل سے رشتہ توڑنا ہوگا جو نیکی کو اختیار کرے اس کا بدی سے بگاڑ ضرور پیدا ہوگا، جو رب کو معبود بنائے اُس کی بات پھر طاغوت سے نہ بن سکے گی۔ اس لیے

قرآن اُن لوگوں کو اپنے گرد جمع کرتا ہے جو رب پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ طاغوت سے کنارہ کش ہو جائیں۔

اور ہم نے ہر اُمت کے اندر کوئی نہ کوئی رسول (اس پیغام کے ساتھ) مامور کیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ (النحل-۳۶)

طاغوت ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت سے ہٹا کر اللہ کی نافرمانی کرنے پر مائل یا مجبور کرے یا اس کا سبب بنے۔ طاغوت افراد و اشخاص بھی ہو سکتے ہیں، طاغوت فلسفہ و نظریات بھی ہو سکتے ہیں اور طاغوت سیاسی اور اقتصادی نظام بھی ہو سکتا ہے۔ جس شکل میں بھی طاغوت کا وجود پایا جائے اس سے انکار اور اس کی تردید کرنا اس شخص کے لیے لازم ہو جاتا ہے جو قرآن کا شاگرد بن کر ایمان باللہ اور عبادتِ رب کی راہ اختیار کرے۔

اپنی اس بنیادی تعلیم اور تلقین میں قرآن کوئی ابہام نہیں چھوڑتا اور رنگی لپٹی نہیں رہنے دیتا ملاحظہ ہو:

حد سے بڑھ جانے والوں کی اطاعت نہ کرو۔ (شعراء — ۱۵۱)

اور ان لوگوں میں سے نافرمانوں اور ناشکروں کی اطاعت نہ کرو (الدہر — ۲۴)

اس سے بھی آگے قرآن نے بدی کی طاقتوں سے تعاون کو ممنوع ٹھہرا دیا۔

اور گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں (کسی سے) تعاون نہ کرو۔ (المائدہ -۱۲)

(۱۰)

یہ بات جب واضح ہو گئی کہ عبادتِ رب کے ساتھ اطاعتِ طاغوت چلنے کی چیز نہیں اور نہ امر بالمعروف کا کام کرنے والے اثم و عدوان سے تعاون نہیں کرتے تو پھر یہ حقیقت قرآن کے طالب علم پر از خود کھل جاتی ہے کہ اسلام کسی مخالف اسلام طاقت کے غلبے میں اپنے پورے تقاضوں کے ساتھ نہیں چل سکتا۔

پس ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مشن خود غالب طاقت بن جائے۔ اسی اُصول پر قرآن اپنے مخاطب کو یہ تلقین کرتا ہے کہ عبادتِ رب کے نظام اور مسلکِ اسلام کو غالب کرو۔

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اس لیے بھیجا ہے

کہ وہ اسے ہر دوسرے طریقہ و نظام پر غالب کر دے۔ (الصف - ۱۹)

اللہ کا کلمہ (قانون یا دین) بلند و برتر ہو کے رہنے کے لیے ہے۔ (التوبہ - ۴۰)

دوسری جگہ ہے۔

اللہ نے یہ بات طے کر دی کہ مجھے اور میرے رسولوں (یعنی ان کے دین و نظام) کو غالب ہو کے رہنا ہے۔ (المجادلہ - ۲۱)

مختصر بات یہ ہوئی کہ قرآن اپنے پیغام کو معاشرے میں کامیاب اور عملاً جاری و ساری دیکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔

(۱۱)

مخالف نظاموں سے انکار و اجتناب اور عدم تعاون سے بات آگے بڑھ کر یہاں آ پہنچی کہ جو ارباب تدبر و تفکر اپنے رب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، زندگی اس کی عبادت کے لیے وقف کر دیں، اس کے مقرر کردہ مشن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، ان کا کام محض واعظوں کا سا ٹھنڈا کام نہیں ہے بلکہ اُن کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن کے نظام کو عملاً غلبہ دلانے کی جدوجہد کریں۔

قرآن کی رُو سے بھی اور اللہ تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے تحت بھی حق و باطل کا تصادم ناگزیر ہے۔ اس کشمکش کی کٹھالی کے پیش نظر قرآن اپنے شاگرد کو بتاتا ہے کہ جنت کی منزلِ کامرانی کو جانے والا راستہ بڑا مردافگن ہے۔

کیا تم نے یہ گمان باندھ رکھا کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ابھی تم پہ پہلے کے لوگوں جیسے سخت حالات نہیں گزرے جن کو تنگی اور مصیبت نے آ دبوچا اور وہ اس حد تک جھنجھوڑ دیئے گئے کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (اس مرحلے پر ان کو مژدہ سنا یا گیا کہ) سنو اللہ کی مدد قریب ہے۔

(البقرۃ - ۲۱۴)

اس کشمکش کے لیے قرآن اپنی تحریک (امر بالمعروف و نہی عن المنکر) کے آدمی سے یہ بات پہلے ہی قدم پہ طے کر لیتا ہے کہ وہ اس راہ پر آئے تو اللہ سے اپنے جان و مال کا سودا کر کے آئے۔

اور اس کے لیے وہ اپنے پیغام پر لبیک کہنے والوں کی ایک جماعت بناتا ہے اور اس جماعت کا نام حزب اللہ رکھتا ہے جسے حزب الشیطان سے معرکہ آرا ہونا ہے۔ قرآن کا پیغام یہ ہے کہ اس کے پیغام کو جامۂ عمل پہنانے کے لیے اجتماعی اور منظم سعی ضروری ہے۔

(۱۲)

قرآن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جس تحریک کو چلا کر دنیا میں امن و سلامتی کا دور پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کی کامیابی کی صورت میں وہ مطالبہ کرتا ہے کہ دین کا پورا نظام اور قرآن کا سارا قانون جاری کیا جائے۔ اس سے حیوٰۃ طیبہ اور حیاتِ صالحہ اور حیاتِ مطمئنہ پیدا ہوتی ہے۔

یہاں مقالہ ختم ہو رہا ہے۔ اس موقع پر یاد دلانا ضروری ہے کہ قرآن کا مرکزی پیغام جو اس مقالہ میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے وہ بس ایک ہی ہے اعبدوا ربکم باقی ساری چیزیں اسی کے تقاضے ہیں

معذرت

دھندلی خاکہ نما تصویر پر مبنی سوئی گیس لمیٹڈ کا اشتہار محض غلط فہمی کی وجہ سے ترجمان القرآن ماہ فروری ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا جس کے لیے ادارہ معزز قارئین سے معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ)

مولانا نعیم صدیقی کی علالت

دُعائے صحت کی اپیل

مولانا نعیم صدیقی ایک عرصے سے علیل ہیں۔ ڈنیوی علاج ہو رہا ہے۔ لیکن قارئین کی جانب سے دعاؤں کی بھی ضرورت ہے۔ ادارہ ترجمان القرآن قارئین سے اس سلسلہ میں مولانا نعیم صدیقی کے لیے دعائے صحت کی اپیل کرتا ہے۔

(ادارہ)